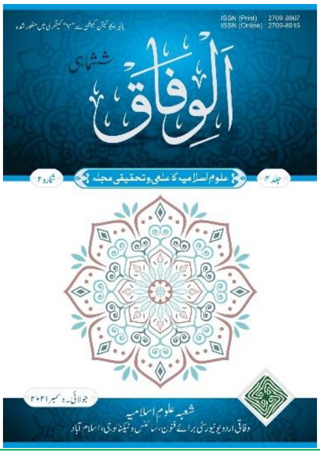

Al-Wifaq Research Journal of Islamic Studies
Volume 4, Issue 2 (July - December 2021)
eISSN: 2709-8915, pISSN: 2709-8907
Journal DOI: https://doi.org/10.55603/alwifaq
Issue Doi: https://doi.org/10.55603/alwifaq.v4i2
Home Page: https://alwifaqjournal.com/
Journal QR Code:

Article

اصول، قواعد، فروق اور ضوابط فقہ کے مفاہیم

Interpretations of Principles, Legal Maxims, Differences and Laws of Islamic Jurisprudence

Indexing

Authors
Muhammad Fayyaz[1]
Dr. Naeem Anwar Al-Azhari[1]

Affiliations
[1]Government College University, Lahore, Pakistan.

Published
31 December 2021

Article DOI
https://doi.org/10.55603/alwifaq.v4i2.u10

QR Code

Citation
Muhammad Fayyaz, and Al-Azhari, Naeem Anwar, Dr. *"Interpretations of Principles, Legal Maxims, Differences and Laws of Islamic Jurisprudence"*, Al-Wifaq, 2021, Vol.4, No.2, 151–172

Copyright Information:
اصول، قواعد، فروق اور ضوابط فقہ کے مفاہیم Interpretations of Principles, Legal Maxims, Differences and Laws of Islamic Jurisprudence © 2021 by Muhammad Fayyaz & Dr. Naeem Anwar Al-Azhari is licensed under CC BY 4.0

Publisher Information:
Department of Islamic Studies, Federal Urdu University of Arts Science & Technology, Islamabad, Pakistan.

اصول، قواعد، فروق اور ضوابط فقہ کے مفاہیم

Interpretations of Principles, Legal Maxims, Differences and Laws of Islamic Jurisprudence

*محمد فیاض

**ڈاکٹر نعیم انور الازہری

ABSTRACT

Islamic Jurisprudence deals with the orders of the applied command regarding the unlimited problems of mankind. Emergence of new issues with the passage of time in Further edition to it. For the solution to these problems and issues, the Scholars of Islamic jurisprudence have chalked out certain rules and regulations. Proper Arrangements, Understanding, and control of the prevailing issues become possible due to these rules and the work of derivation of the problems also becomes easy. These principles are called Usul Al-Fiqh (Principles of Islamic Jurisprudence) and Al-Quaa`id Al Fiqhiyyah (Legal maxims) and Dawabit-e-Fiqh (Laws of Fiqh). These are foundations of Islamic Jurisprudence, which provides modes and sources for the jurists to seek appropriate legal rules for any problem and issue. In the given article the structure and origin of these legal maxims, principles of Islamic Jurisprudence, and laws of Fiqh are discussed. As well as their difference from each other and their scholastic and technical importance have been discussed.

KEYWORDS:

Principles of Islamic Jurisprudence, Legal maxims, Laws of Fiqh, differences of jurisprudence.

اس امت کے تمام علماء کا اتفاق ہے کہ دین کا ماخذ قران و سنت ہے۔ یعنی رسول اکرم ﷺ نے دین دو طریقوں سے عطاء فرمایا ایک اللہ تعالیٰ کا براہ راست کلام جو قران مجید ہے۔ دوسری حضور ﷺ کی سنت مبارکہ جو کہ اصل دین ہے۔ معاشرتی اعتبار سے جب کوئی معاشرہ اپنے ذخیرہ مذہب کو اپنے قوانین کا منبع بنالیتا ہے تو اس کے نتیجے میں جو علم وجود پذیر ہوتا ہے اسے علم فقہ کہتے ہیں۔ لیکن فقہ تک رسائی اسی صورت ممکن ہے جب قران و سنت کی روشنی میں اصول و قواعد فقہ ترتیب دیئے جائیں جن کی مدد سے پیش آمدہ مسائل کو حل کیا جاسکے۔ اور اس میں بنیادی ضرورت یہ

*پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ عربی وعلوم اسلامیہ، جی سی یونیورسٹی، لاہور

**اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ عربی وعلوم اسلامیہ، جی سی یونیورسٹی، لاہور

ہے کہ سب سے پہلے اصول و قواعد فقہ اور اس کے ہم مثل الفاظ کی وضاحت کی جائے اور اس میں بنیادی لفظ اُصول فقہ کی تبیین بروزن تفصیل و تشریح ضروری ہے کہ یہ لفظ اس فن میں اولیت حاصل کیے ہوئے ہے۔

اصول فقہ کے لغوی اور اصطلاحی مباحث

اصول فقہ ایک مخصوص علم کا نام ہے لیکن در حقیقت علم کا نام بننے سے پہلے یہ دو الفاظ کا مجموعہ ہے۔ پہلا لفظ اصول ہے اور دوسرا لفظ فقہ ہے۔ مرکب اضافی ہونے کی بنا پر اصول الفقہ ہر چیز ایک الگ معنی پر دلالت کرتا ہے۔ پھر اس کو ایک نئے معنی کی طرف منتقل کر کے ایک فن بمسمیٰ اصول الفقہ کا لقب اور علم بنا دیا گیا ہے۔ تو یہ مرکب بطور مفرد استعمال ہونے لگا۔ اصولی حضرات دو طرح سے اصول فقہ کا معنی اور تعریف بیان کرتے ہیں: ایک حد لقبی اور دوسری حد اضافی [1] حد لقبی سے مراد دونوں اجزاء یعنی اصول الفقہ کو بطور مفرد بیان کیا جائے۔ اور حد اضافی سے مراد مضاف کو علیحدہ اور مضاف الیہ کو علیحدہ بیان کیا جائے۔

اصول فقہ کی اضافت کے اعتبار سے تعریف

اصول جمع ہے اور اس کا مفرد اصل آتا ہے۔ لفظ اصل کے لغوی اور اصطلاحی کئی معانی بیان کیے جاتے ہیں۔ لغت میں لفظ اصل درج ذیل معانی میں استعمال کیا جاتا ہے:

معنی اول لغوی: ما يبتني عليه غيره، كان البنا حسّيّا او عقليا او عرفيا."جس پر کسی دوسری چیز کی بنا کی جائے، خواہ وہ بنا حسی ہو یا عقلی ہو یا عرفی" [2]۔ التنقیح والتوضیح میں یوں ذکر کیا گیا: الاصل ما يبتني عليه غيره۔ فالابتناء شامل للابتناء الحسي وهو ظاهر والابتناء العقلي وهو ترتب الحكم على دليله۔"اصل وہ ہے جس پر غیر کی بنیاد رکھی جائے پس لفظ ابتناء حسی اور عقلی دونوں کو شامل ہے، حسی تو ظاہر ہے اور عقلی یہ ہے کہ جس پر حکم کو مرتب کیا جائے۔" اس تعریف میں ابتناء عقلی کا اضافہ ہے یعنی دلیل حکم کے لیے اصل اور حکم اس کی فرع ہے۔ [3]

معنی ثانی لغوی: المحتاج اليه، امام رازی شافعی نے المحصول میں یہی معنی ذکر کیے ہیں لیکن یہ معنی درست نہیں لگتا کیونکہ اگر دیکھا جائے تو درخت اپنے کمال میں پھل کا محتاج ہے لیکن اصل درخت نہیں ہے کیونکہ پھل کی اصل درخت ہے نہ کہ پھل درخت کی اصل ہے۔ [4]

معنی ثالث لغوی: ما يستند تحقق الشيء اليه، کسی چیز کی حقیقت معلوم کرنے کے لیے جس چیز کی طرف رجوع ہو وہ اصل ہے۔ سیف الدین آمدی نے الاحکام میں یہ معنی ذکر کیے ہیں۔ [5]

معنی رابع لغوی: ما منه الشي، یعنی جس سے کوئی چیز نکلے۔ امام اسنوی شافعی نے نہایۃ السول میں یہ معنی بیان کیے ہیں [6]۔ اس صورت میں یہ اصل مصدر کی حیثیت اختیار کرتا ہے۔

معنی خامس لغوی: اصولیین کے ہاں اس کا معنی خامس منشاء الشي کسی کے پیدا ہونے کی جگہ کے ہیں [7] اس کے مدمقابل لفظ فرع استعمال کیا جاتا ہے اور تعرف الاشياء بأضدادها کے قانون کے مطابق مناسب یہ ہے کہ اس کے مقابل معنی کا ذکر کیا جائے تاکہ اصل اپنی اصل شکل میں مزید واضح ہو جائے۔

معنی الفرع: الفرع هو الشي الذي يبني علي غيره كفروع الشجرة لأصولها وفروع الفقه لأصوله: "فرع وہ چیز ہے جس کی اساس کسی اور پر ہو جیسے درخت کی شاخوں کی بنا اس کی جڑ پر ہے۔ اب اس لحاظ سے شاخیں فرع اور جڑیں اصل ٹھہریں۔ اور اسی طرح فرع فقہ کی بنیاد اس کے اصول ہیں"۔ [8]

اصول فقہ کا اصطلاحی معنی:

لفظ اصل کے کئی معانی بیان کیے جاتے ہیں لیکن اصطلاحی معانی میں سے چند مشہور و معروف اور کثرت سے استعمال ہونے والے معانی درج ذیل ہیں۔

اصطلاحی معنی الاول: الدلیل، فقہ کی کتابوں میں یہ معنی کثرت سے استعمال کیا جاتا ہے مثال کے طور پر کئی جگہوں پر کہا جاتا ہے۔[9] اصل هذه المسالة الكتاب والسنة۔ تو اس کا معنی یہ بنے گا۔ دليل هذه المسالة اصل وجوب الصلاة قوله تعالى اقيموا الصلاة، تو مطلب ہوتا ہے۔ الدليل في وجوب الصلاة اسی طرح الاصل في تحريم الزنى قوله تعالي ولا تقربوا الزني [10] تو مطلب ہوتا ہے۔ الدليل في تحريم الزنى۔

اصطلاحی معنی ثانی: الراجح، اس کا مطلب ہے ترجیح دینا۔ اصول فقہ کی کتابوں میں اور اسی طرح باقی علوم کی کتب میں یہ جملہ اکثر ملتا ہے: الاصل في الكلام الحقيقة۔ کلام میں اصل حقیقت ہے۔ [11] تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جب قرینہ نہ ہو تو سامع کے لیے اس کے حقیقی معنی ترجیحاً مراد ہوں گے نہ کہ مجازی معنی، اور اسی طرح جب جب قرآن اور قیاس باہم متعارض ہوں تو کہا جاتا ہے۔ فالقرآن اصل بنسبة القياس۔ قرآن کے مقابلہ میں جب قیاس کو لایا جاتا ہے تو قرآن بہ نسبت قیاس کے اصل کی حیثیت رکھتا ہے۔[12]

اصطلاحی معنی ثالث: الصورة المقيس عليها، ایسی صورت جس پر قیاس کیا جائے۔ دو صورتوں میں سے ایک صورت جس پر قیاس کیا جائے اور دوسری صورت جس کو قیاس کیا جائے [13] تو پہلی صورت کو مقیس علیہ اور دوسری صورت کو مقیس کہتے ہیں مثلاً حرمتِ لواطت کو قیاس کیا گیا ہے حالت حیض میں عورت کے ساتھ وطی کرنے کو کیونکہ قرآن مجید میں یہ کہا گیا ہے کہ

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ۭ قُلْ هُوَ اَذًى ۙ فَاعْتَزِلُوا النِّسَاۗءَ فِي الْمَحِيْضِ ۙ وَلَا تَقْرَبُوْھُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ. [14]

"اے نبی کریم ﷺ یہ لوگ آپ سے سوال کرتے ہیں حیض کے بارے میں تو ان کو فرما دو کہ وہ

گندگی ہے عورتوں سے جدا رہو اور ان کے پاک ہونے تک ان کے قریب نہ جاؤ۔"

اس صورت میں اصل حالتِ حیض میں وطی کرنا ہے، اور اس پہ قیاس دوسرے مسئلہ کو کیا جائے گا جو کہ حرمتِ لواطت ہے اور علت دونوں میں گندگی ہے۔ تو اس میں صورت اول مقیس علیہ اور دوسری صورت مقیس ہے کہ اس پر قیاس کرتے ہوئے لواطت کی حرمت کو ثابت کیا گیا ہے۔[15]

اصطلاحی معنی رابع: الاصل بمعني المستصحب، اس حالت کو کہا جاتا ہے جو حالت اصلیہ پر طاری ہو۔[16] مثال کے طور پر اصول فقہ میں یہ کہا جاتا ہے۔الاصل في الاشياء اباحة، "اشیاء کی حقیقت اور اصلیت میں اباحت وجواز ہوتا ہے"۔[17] الاصل في الانسان البراة، یعنی انسان وقت تک متہم نہیں ہو گا جب تک اس کے خلاف تہمت دلیل سے ثابت نہ ہو جائے۔[18] اسی طرح کہتے ہیں: من يتيقن الطهارة وشك في الحدث فالأصل الطهارة اى المستصحب وهو الطهارة۔ جس شخص کو باوضو ہونے کا یقین ہو اور بے وضو ہونے کا شک ہو تو اصل یہ ہے کہ وہ باوضو حالت میں ہے۔[19]

معنی خامس اصطلاحی: القاعدة، القاعدة المسمرة، القاعدة الكليہ، دوسرے معانی کی طرح اصل قاعدہ کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔[20] جیسا کہ رسالت مآب ﷺ کا فرمان عالیشان ہے۔لا ضرر و لا ضرار (نہ نقصان پہنچاؤ اور نہ اٹھاؤ)۔[21] اس کے بارے میں کہا جاتا ہے: هذا القول اصل من اصول الشريعة۔"یہ قول شریعت کے اصولوں میں سے ایک اصل ہے"۔[22] تو اس کا اصل مطلب قاعدة من القواعد ہے۔ اور نحو کی کتب میں اکثر بولا جاتا ہے: ان الفاعل مرفوع اصل من النحو "بیشک فاعل مرفوع ہوتا ہے یہ نحو کا ایک قانون اور قاعدہ ہے"۔[23]

ان اليقين لا يزول بالشك اصل من الفقه، "بیشک یقین شک سے زائل نہیں ہوتا یہ فقہ کا ایک قاعدہ ہے"۔[24] الامر للوجوب والنهي للتحريم اصل من اصول الفقه۔ شریعت مطہرۃ میں امر وجوب کے لیے آتا ہے اور اس کے مدمقابل نہی تحریم کے لیے آتا ہے۔ یہ اصول فقہ کا ایک قاعدہ ہے۔[25]

الفقہ کے لغوی اور اصطلاحی معنی:

فقه يفقه فقهاً جاننے، سمجھنے اور علم کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔[26] اس کے لغوی معنی کے بارے میں علماء اصولیین اور فقہاء کی متعدد آراء پائی جاتی ہیں۔

معنی اول: فهم غرض المتكلم من كلامه، "متکلم کے کلام سے اس کی غرض سمجھ جانا"۔ ابو الحسین معتزلی نے "المعتمد" اور امام رازی نے "المحصول" میں فقہ کے یہ معنی بیان کیے ہیں۔[27] مگر اس لغوی تعریف سے اتفاق کرنا مشکل ہے کیونکہ پرندوں کی بولی سے ان کی غرض تو سمجھ آتی ہے لیکن اسے فقہ نہیں کہا جا سکتا۔ جیسا کہ اللہ رب العزت ارشاد

فرماتا ہے:

وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ[28]

"اور اس کائنات میں کوئی بھی چیز ایسی نہیں جو اس کی تسبیح بیان نہ کرتی ہو اور لیکن تم ان کی سمجھ کو سمجھ نہیں سکتے۔"

قرآن مجید کی اس آیت میں فقہ کا لفظ موجود ہے لیکن متکلم کی غرض سمجھ نہیں آتی۔

معنی ثانی: فهم الاشياء الدقيقة، "دقیق اشیاء کو سمجھ لینا"۔[29] اس معنی کی دلیل یہ ہے کہ اہل عرب جملہ استعمال کرتے ہیں: فقهت كلامك "میں نے تمہارے اغراض و اسرار کو سمجھ لیا"۔ لیکن اہل عرب یہ استعمال نہیں کرتے۔ فقهت ان السماء فوقنا۔ میں نے جان لیا کہ آسمان اوپر ہے کیونکہ یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ آسمان اوپر ہی ہے۔ اس کے لیے فقاہت کی ضرورت نہیں۔ اس معنی کی دلیل اس آیت میں موجود ہے:

وَهُوَ الَّذِیْٓ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَّمُسْتَوْدَعٌ ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّفْقَهُوْنَ[30]

"اور وہی ہے جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور پھر تمہارے لیے ٹھہرنے کی جگہ اور امانت رکھے جانے کی جگہ ہے۔ بیشک ہم نے تفصیل کے ساتھ دلیلیں بیان کر دیں ہیں۔ ان لوگوں کے لیے جو حقیقت کو سمجھتے ہیں"

اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی دلیل ہے:

قَالُوْا یٰشُعَیْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِیْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ[31]

"وہ بولے اے شعیب ہم نہیں سمجھ سکتے بہت سی باتیں جو تم کہتے ہو۔"

اس میں ان لوگوں کا مؤقف یہ ہے کہ آپ کی گفتگو میں اسرار و رموز ہوتے تھے اس لیے ہم نہیں سمجھ سکتے۔ **معنی ثالث"** الفهم، لسان العرب میں مطلقاً فقہ کے معنی فہم کے ذکر ہیں: الفقه في الاصل الفهم[32]

اسی طرح يقال اوتي فلان فقها في الدين اى فيما منه میں مطلقا فہم معنی ہیں[33] اس میں اس بات کا اعتبار بھی نہیں ہے کہ مفہوم دقیق ہو یا غیر دقیق، غرضِ متکلم سمجھنا بھی مراد نہیں، قرآن و سنت سے اس معنی کی تائید ہوتی ہے جیسا قرآن میں ہے:

فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا یَكَادُوْنَ یَفْقَهُوْنَ حَدِیْثًا.[34]

"اس قوم کو کیا ہو گیا ہے کہ اس بات کے سمجھنے کے قریب ہی نہیں جاتے"۔

احادیث میں بھی اس لفظ کا معنی فہم ہی مراد کیا گیا ہے جیسا کہ ارشاد ہے:

من يرد الله به خيرا يفقهه في الدين

"اللہ تعالیٰ جس سے بھلائی کا ارادہ کرتا ہے اسے دین میں سمجھ عطا کرتا ہے"۔[35]

دوسری حدیث میں ہے کہ

الناس معادن خيارهم في الجاهلية خيارهم في الاسلام إذا فقهو

"لوگ مثلِ کان ہیں ان میں جو جاہلیت میں بہتر تھے وہ اسلام میں بھی بہتر ہیں بشرطیکہ دین کی سمجھ حاصل کریں"۔[36]

آپ ﷺ نے فرمایا:

اللهم علمه الكتاب وفقه في الدين

"اے اللہ ان کو کتاب کا علم اور فہم عطا فرمایا"۔[37]

علامہ سیف الدین آمدی نے الاحکام میں انہی معنی کو اختیار فرمایا ہے۔

معنی رابع: العلم والفہم، امام غزالی شافعی نے المستصفٰی میں فقہ کے لغوی معنی ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

والفقه عبارة عن العلم والفهم في اصل الوضع يقال فلان يفقه الخير والشر اي يعلمه ويفهمه، [38]

"اور فقہ اپنی اصل وضع کے اعتبار سے علم و فہم سے عبارت ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے فلاں خیر و شر کی فقہ رکھتا ہے تو مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ اس کو جانتا اور سمجھتا ہے"۔

اس معنی پر قرآن مجید سے یہ دلیل موجود ہے۔

وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ ﴿٢٧﴾ يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ ﴿٢٨﴾ [39]

"اے اللہ میری زبان کی گرہ کھول دے تاکہ وہ لوگ میری بات کو سمجھ سکیں"۔

فقہ کے اصطلاحی معنی:

امام اعظمؒ کی تعریف:

امام اعظمؒ سے یہ تعریف منقول ہے: معرفة النفس مالها وما عليها، "مالھا اور وما علیھا کے لحاظ سے معرفت نفس کو فقہ کہتے ہیں"۔[40] مالھا وما علیھا ممکن ہے کہ مالھا سے مراد ما ينفع به الناس ہو جو ثواب کی صورت میں ہو اور ما علیھا سے مراد ما يتضرر به في الآخرة ہو جو عذاب و عقاب کی صورت میں ہو۔[41] جس طرح قرآن مجید میں ذکر ہے:

لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ [42]

"ہر نفس کے لیے وہ ہے جو اس نے کمایا اور اسی پر وبال ہے جو اس نے کمایا:

لہذا مکلف جو بھی کام کرے گا ان چیزوں سے خالی نہیں ہو گا۔ واجب، مندوب، مباح، مکروہ تنزیہی، مکروہ تحریمی، حرام، ان میں سے ہر ایک کی دو طرفیں ہیں، ایک میں اس کام کا کرنا اور دوسرے میں ترک یعنی عدم فعل۔ اس طریقے پر کل بارہ صورتیں بن جائیں گی۔ ممکن ہے مالھا سے مراد عذاب کا نہ ملنا اور ماعلیھا سے مراد عذاب کا ملنا ہو۔ یہ بھی امکان ہے کہ مالھا سے ما یجوز لہا ہو۔ اور ماعلیھا سے مرادما یحرم علیہا مراد ہو۔[43]

اشاعرہ کی تعریف:

العلم بالأحكام الشرعية العلمية من ادلتها التفصيلية [44]

"شریعت کے عملی احکام کا ادلہ تفصیلیہ سے جاننا فقہ کہلاتا ہے"

امام رازی کی تعریف:

الفقه عبارة عن الأحكام الشرعية العملية المستدل على اعيانها بحيث لا يعلم كونها من الدين ضرورة، صدر الشریعہ نے قیدہ اخیرہ کو یعنی لا يعلم كونها من الدين ضرورة کو غیر ضروری قرار دیا۔ آپ کہتے ہیں فقہ کی تعریف اس کے بغیر مکمل ہے۔[45]

سیف الدین آمدی کی تعریف:

الفقه مخصوص بالعلم الحاصل بجملة من الأحكام الشرعية الفرعية بالنظر والاستدلال، "فقہ احکام شرعیہ کلیہ سے نظر و استدلال کے ذریعے حاصل ہونے والے علم کو فقہ کہتے ہیں"۔[46]

ابن حاجب مالکی کی تعریف:

العلم بالأحكام الشرعية العملية من ادلتها التفصيلية بالاستدلال۔ "شریعت کے عملی احکام کا ادلہ تفصیلیہ سے استدلال کے ساتھ جاننا فقہ کہلاتا ہے"۔[47]

امام اعظمؒ کی ذکر کردہ تعریف دیگر تعریفات کی نسبت عام ہے جو کہ اعتقادات، وجدانیات، عملیات وغیرہ کو شامل ہے۔ مثلاً، اعتقادات جیسے وجوب ایمان، وجدانیات جیسے اخلاق و تصوف، عملیات جیسے صلوۃ صوم و بیع وغیرہ یہ عموم آپ کے زمانہ کے ساتھ چلتا رہا جبکہ امام اعظم جن کے زمانہ میں فقہ و اصول کی تدوین پر آپ کے علاوہ کسی دوسری جانب سے کوئی خاص توجہ نہ دی گئی پھر آپ کے زمانہ کے بعد ہر علم مستقل حیثیت اختیار کر گیا۔ مثلاً علم الکلام و توحید: جس میں اعتقادات کے متعلق بحث ہو۔ علم الاخلاق و التصوف: جو وجدانیات کے متعلق ہو جیسے زہد، صبر، رضا باللہ، دوران نماز حضورِ قلبی وغیرہ۔ علم الفقہ: ان علوم کے استقلال کے بعد علم فقہ" معرفة لنفس وما عليها من الأحكام العملية" تک مقصور و محدود ہو گیا۔ یعنی اب اس کا اطلاق عملیات پر ہو گا نہ کہ اس کے غیر پر۔ البتہ عملیات کی قید بعد میں آنے

والے علماء احناف نے لگائی تا کہ اعتقادات و وجدانیات خارج ہو جائیں جبکہ امام اعظمؒ نے اس کا اضافہ نہ کیا تھا کیونکہ آپ نے شمول کا ارادہ کیا یعنی تمام امور سابقہ کا نہ کہ فقط عملیات کا۔ پھر جب فقہ کی مذکورہ تعریف (امام اعظمؒ کی ذکر کردہ) اعتقادات، وجدانیات، اور عملیات، کو شامل تھی تو فقہ کو تین اقسام میں تقسیم کر دیا گیا۔[48]

1. فقہ اکبر: اعتقادات سے متعلق
2. فقہ اوسط: وجدانیات
3. فقہ اصغر: عملیات

یہی وجہ تھی کہ امام اعظمؒ نے عقائد پر مشتمل کتاب کا نام الفقہ الاکبر رکھا۔[49]

اصول فقہ کی حد لقبی:

حد لقبی کا مطلب ہے کہ اصول فقہ کو بطور علم مراد لیا جائے یعنی یہ دونوں لفظ مل کر ایک علم کا عَلم قرار دیئے جا چکے ہیں اور یہ ایک مستقل فن کا نام ہے تو اس لیے یہاں پر اس کی حد لقبی کی جا رہی ہے:

فهو العلم بالقواعد والادلة الاجمالية التي يتوصل بها الى استنباط الفقه، "اصول فقہ وہ علم جس کا تعلق ایسے قواعد اور ادلہ اجمالیہ کے ساتھ ہے جن کے ذریعے فقہ کے استنباط کی طرف پہنچا جاتا ہے"۔[50] اس کی مثال کچھ اس طرح ہے ایک قاعدہ اور ایک اصول ہے کہ الامر يفيد الوجوب [51]، اب اس قاعدے کو بہت ساری جزئیات کے اخذ و استنباط کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر قرآن مجید میں ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ[52]

"اے ایمان والو اپنے وعدے پورے کرو"

اس میں اوفوا امر ہے اور اس کا یہاں وجوب کا فائدہ ہے۔ اسی طرح دوسرے مقام پر ہے۔

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ۔ [53]

"نماز قائم کرو اور زکوۃ ادا کرو اور رسول ﷺ کی اطاعت کرو۔

اس میں تین امر کے صیغے ہیں۔ جو کہ وجوب کا فائدہ دے رہے ہیں: اقیموا نماز کی فرضیت پر دلالت کرتا ہے آتوا زکوٰۃ کی فرضیت پر دلالت کرتا ہے اطیعوا اطاعت رسول کے لازم اور ضروری ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ اور اگر اصول سے مراد فقہ کی بنیاد اور جڑ ہو تو یہ ادلہ اجمالیہ مراد ہیں اور یہ مصادر الاحکام مراد ہیں اور وہ چار چیزیں ہیں۔ کتاب اللہ، سنت، اجماع، قیاس[54]۔ جس وقت یہ ادلہ شرعیہ مراد ہوں گے اس وقت قواعد اور ضوابط مراد نہیں ہوں گے۔

قاعدہ کی لغوی اور اصطلاحی تعریفات:

قاعدہ کا مادہ (ق، ع، د) ہے جس کا بنیادی معنی ثبات و استقرار کے ہیں اس کی جمع قواعد آتی ہے اور لغات و معاجم میں اس کے معنی "اساس، بنیاد" بھی مرقوم ہیں مثلاً علامہ حموی کا قول ہے: القواعد جمع قاعدة وهي لغة اساس قواعد قاعدہ کی جمع ہے اور لغت میں اساس کو کہتے ہیں[55]

تاج العروس میں ہے: "القواعد الاساس و قواعد البيت اساسه وقال الزجاج القواعد اساطين البناء التي تعمده" قواعد بمعنی اساس کے ہیں اور قواعد البیت کا مطلب ہے گھر کی بنیادیں۔ اور زجاج کہتے ہیں کہ عمارت کی ان بنیادوں کو قواعد کہتے ہیں جن پر عمارت کا سہارا اور قیام ہو۔[56] اسی طرح قرآن پاک میں ہے:

وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرٰهِمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ[57]

"اور اس وقت کا تصور یاد کرو جب ابراہیمؑ بیت اللہ کی بنیادیں اٹھارہے تھے۔"

جبکہ دوسری جگہ ہے۔

قَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتَى اللّٰهُ بُنْيَانَهُمْ مِّنَ الْقَوَاعِدِ[58]

"ان سے پہلے بہت سے لوگ مکاریاں کر چکے ہیں تو اللہ نے ان کے مکر کی عمارت جڑ سے اکھاڑ پھینکی۔"

قاعدہ کی اصطلاحی تعریف:

قاعدہ فقہیہ کی اصطلاحی تعریف میں علماء کے دو نقطہ نظر رہے ہیں۔ هي قضية كلية منطبقة على جميع جزئياتها،[59] اس تعریف کی روشنی میں قواعد فقیہ کلیہ ہوتے ہیں۔ رہی بات استثنائات کی تو اس سے قاعدہ کلی ہونے پر فرق نہیں پڑتا کیونکہ ہر اصل سے کچھ چیزیں مستثنیٰ ہوتی ہیں، جب ان کا ذکر آجائے تو بقیہ قاعدہ کلیہ اپنی جگہ بر قرار رہتا ہے۔ ان مستثنیات کے مجموعے سے کوئی دوسرا ایسا کلیہ قاعدہ نہیں بن سکتا جو کہ اس قاعدے کے معارض ہو لہذا قاعدہ فقہ کو کلیات استقرائیہ کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ علامہ شاطبی نے لکھا ہے:

كُلُّ هَذَا غَيْرُ قَادِحٍ فِي أَصْلِ الْمَشْرُوعِيَّةِ؛ لِأَنَّ الْأَمْرَ الْكُلِّيَّ إِذَا ثَبَتَ كُلِّيًّا، فَتَخَلُّفُ بَعْضِ الْجُزْئِيَّاتِ عَنْ مُقْتَضَى الْكُلِّيِّ لَا يخرجه عن كونه كليا، وأيضًا فَإِنَّ الْغَالِبَ الْأَكْثَرِيَّ مُعْتَبَرٌ فِي الشَّرِيعَةِ اعْتِبَارَ الْعَامِّ الْقَطْعِيِّ؛ لِأَنَّ الْمُتَخَلِّفَاتِ الْجُزْئِيَّةَ لَا يَنْتَظِمُ مِنْهَا كُلِّيٌّ يُعَارِضُ هَذَا الْكُلِّيَّ الثَّابِتَ. هَذَا شَأْنُ الْكُلِّيَّاتِ الِاسْتِقْرَائِيَّةِ.[60]

"تو یہ سب (مستثنیات) اصل مشروعیۃ کے لیے مضر نہیں ہیں کیونکہ کسی امر کا کلی ہونا جب

ثابت ہو جائے تو اس سے بعض جزئیات کا نکل جانا اس کے کلی ہونے کو ختم نہیں کرتا اور اس لیے بھی کہ شریعت میں غالب واکثر کی وہی حیثیت ہے جو قطعی عام کی ہے (جس میں استثناء نہیں ہوتا) کیونکہ مستثنیٰ جزئیات سے کوئی ایسا کلیہ نہیں بن سکتا جو ثابت شدہ کلی امر کے معارض بن سکے کلیات استقرائیہ کی یہی شان ہوتی ہے"

دکتور محمد مصطفیٰ الزحیلیؒ نے یہی رائے اختیار کی ہے آپ فرماتے ہیں۔

قد اخترنا التعريف الاول يفيد انطباق القاعدة على جميع الجزئيات لان الاصل فيها ان تكون كذلك وان خروج بعض الفروع عنها لا يضر ولا يؤثر ويكون استثناء من القاعدة لان كل قاعدة او مبدا او أصل له استثناء وهذا الاستثناء لا يغير من حقيقة الاصل او المبدأ. [61]

" ہم نے پہلی تعریف کو اختیار کیا جو کہ اس بات کا فائدہ دیتی ہے کہ قاعدہ تمام جزئیات پر منطبق ہو کیونکہ قاعدہ کے اندر اصل یہی ہے کہ وہ کلی ہو اور بعض فروعات کا قاعدے سے خارج ہونا اس کے لیے مضر نہیں ہے کیونکہ ہر قاعدہ بنیاد یا اصل کے لیے مستثنیات ہوتی ہیں اس قاعدے سے اس کی حقیقت تبدیل نہیں ہوتی۔"

دوسری طرف اکثر علماء اکرام نے قاعدہ کو اکثری قرار دیتے ہوئے اس کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

حكم أكثري لا كلي ينطبق على أكثر جزئياته لتعرف احكامها منه. [62]

" وہ اغلبی یا اکثری حکم کو اپنی اکثر جزئیات پر منطبق ہو تا کہ اس کے ذریعہ اس جزئیات کا علم ہو سکے"۔

اس تعریف کی رو سے قواعد کلیہ نہیں ہوتے بلکہ اکثر یہ ہوتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ کسی چیز کے مطرد یا کلی ہونے کا مطلب یہی ہے کے وہ مستثنیات یا استثناء سے خالی ہو ورنہ وہ کلی مطرد نہیں رہے گا۔

ڈاکٹر محمود غازی نے اس مقام پر اہم نکتہ ذکر کیا ہے کہ قواعد فقہ کے علاوہ دیگر علوم وفنون کے قواعد کلیہ ہو سکتے ہیں لیکن فقہ کے قواعد کلی نہیں بلکہ اغلبی ہوتے ہیں لہٰذا جن حضرات نے پہلی تعریف استعمال کی ہے اس کا اطلاق دیگر علوم پر درست ہو گا، جبکہ قواعد فقہ پر دوسری تعریف زیادہ منطبق ہوتی ہے۔[63] آپ لکھتے ہیں کہ اصطلاحی اعتبار سے فقہی اور قانونی قاعدہ دوسرے علوم وفنون سے ذرا مختلف مفہوم رکھتا ہے۔ دوسرے علوم مثلاً نحو، طبعیات اور ریاضی وغیرہ میں قاعدہ سے مراد ایسا حکم یا اصول ہے جو اپنی تمام جزئیات پر منطبق ہوتا ہے یعنی اس کا اطلاق اس کے ذیل میں آنے والی تمام فروعی صورتوں پر ہوتا ہو، مثلاً نحو کا قاعدہ ہے کہ فاعل مرفوع ہوتا ہے اور مفعول منصوب ہوتا ہے، اب یہ دونوں قواعد ہر قسم کے فاعل اور مفعول کو حاوی ہیں اور ان سب کا اطلاق یکساں طور پر ہو گا۔ کوئی مفعول یا کوئی فاعل ایسا نہیں

جو ان قواعد کے اطلاق سے باہر ہو۔ فقہی قواعد کا معاملہ ان سے ذرا مختلف ہے کہ ان کا اطلاق اکثر و بیشتر صورتوں پر ہوتا ہے۔[64] اس کے بعد قواعد کے کچھ ہم مثل اور قریبی الفاظ کی مختصر اور جامع تشریح کرتے ہوئے ان میں فرق کو بیان کیا جاتا ہے:

ضابطہ کی وضاحت:

قاعدہ کے معنی کا ایک قریبی لفظ ضابطہ ہے ضابطہ اسم فاعل کا صیغہ ہے اور اس کی جمع ضبطۃ اور ضوابط آتی ہے۔ لغت میں اس کے معنی قوی حافظہ والا کے ہیں۔ اصطلاح میں اس کی تعریف اس طرح کی گئی ہے: حكم كلي ينطبق جزئيات. یعنی وہ حکم کلی جو اپنی جزئیات پر منطبق ہو۔[65]

قاعدہ اور ضابطہ میں فرق:

اس سلسلے میں علماء کی دو رائے ہیں

1. بعض حضرات کا کہنا ہے کہ قاعدہ اور ضابطہ میں کوئی فرق نہیں ہے۔ یہ علماء نحو کی رائے ہے چنانچہ ان کے نزدیک الفاعل مرفوع اور المفعول منصوب کو قاعدہ بھی کہتے ہیں اور ضابطہ بھی کہتے ہیں، ان دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ علامہ فیومیؒ لکھتے ہیں: القاعدة في الاصطلاح بمعني الضابط، یعنی قاعدہ اصطلاح میں ضابط کے معنی میں ہے۔[66]
2. اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ اگرچہ دونوں الفاظ معنی کے اعتبار سے قریب قریب ہیں مگر عملاً دونوں میں فرق ہے۔ وہ یہ کہ قاعدہ کے تحت ایسے فروغ و مسائل آتے ہیں جن کا تعلق فقہ کے مختلف ابواب کے ساتھ ہے۔ جیسے الامور بمقاصدھا ایک قاعدہ ہے اس کا تعلق عبادات، جنایات، عقود، جہاد، ایمان وغیرہ سب کے ساتھ ہے، جہاں تک ضابطہ کی بات ہے تو وہ ایسے فروع و مسائل کو شامل ہوتا ہے جن کا تعلق فقہ کے صرف ایک باب سے ہوتا ہے جیسے لا تصوم المرأة تطوعا الا بإذن الزوج یعنی عورت اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر نفلی روزہ نہیں رکھ سکتی، اس کا تعلق صرف باب الصوم کے ساتھ ہے۔ اور ایما اهاب دبغ فقد طهر اس کا تعلق باب الانجاس کے ساتھ اور كل ماء مطلق لم يتغير فهو طهور اس کا تعلق باب المیاہ کے ساتھ ہے۔ علامہ حموی لکھتے ہیں۔ الضوابط جمع ضابطة ما يجمع فروعا من باب واحد بخلاف القاعدة وهي ما يجمعها من ابواب شتاء، "ضوابط ضابطہ کی جمع ہے اور اس میں ایک باب کی فروعات جمع ہوتی ہیں جبکہ قاعدہ میں کئی ابواب کی فروعات جمع ہوتی ہیں"۔[67]

شیخ عثمان شبیر لکھتے ہیں۔ مذکورہ بالا دونوں اقوال اپنی اپنی جگہ درست ہیں۔ کیونکہ الفاظ کی اصطلاح زمانہ گزرنے

کے ساتھ ساتھ بدلتی رہتی ہے۔ لہٰذا جن علماء نے قاعدہ اور ضابطہ کو مترادف قرار دیا ہے ممکن ہے کہ ان کے دور میں یہ الفاظ ایک ہی معنی میں استعمال ہوتے رہے ہوں اور جن حضرات نے دونوں میں فرق بیان کیا ہے شاید ان کے دور میں دونوں الفاظ الگ الگ مطلب کے لیے استعمال کیے جانے لگے ہوں۔[68] مغربی قوانین میں بھی اس طرح کے اصولوں کے لیے دو الگ الگ اصطلاحات استعمال ہوتی ہیں۔ ایک کو میکسم (Maxim)اور دوسرے کو پرنسپل (Principle) کہتے ہیں۔

قاعدہ اور ضابطہ میں مزید فروق:

1. بعض حضرات نے یہ فرق بھی بیان کیا ہے کہ قواعد فقہیہ اکثر تمام مسالک فقہ کے درمیان متفقہ ہوتے ہیں جبکہ ضوابط ہر مسلک کے الگ اور مختلف ہوتے ہیں۔ بعض ضوابط تو ایک ہی مسلک کے علماء کے درمیان واقع ہوتے ہیں۔[69]
2. قاعدہ صرف فقہ تک محدود رہتا ہے۔یعنی قاعدے میں صرف فقہی مسائل ہی بیان کیے جاتے ہیں جبکہ بعض میں مسائل کی بجائے اشیاء کی تعریف کسی چیز کی خاص علامات یا اقسام شرائط واسباب وغیرہ بھی بیان کیے جاتے ہیں۔
3. بعض حضرات نے قاعدہ اور ضابطہ میں یہ فرق بھی بیان کیا ہے کہ قاعدہ اس کے ماخذ ودلیل کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔ جیسے الأمور بمقاصدها[70] میں اس کی دلیل انما الاعمال بالنیات[71] کی طرف اشارہ ہوتا ہے جبکہ ضابطہ میں ایسا نہیں ہوتا۔ لیکن کوئی جامع فرق نہیں ہے کیونکہ اکثر قواعد ایسے بھی ہوتے ہیں جن میں جن میں ان کے ماخذ کی طرف اشارہ نہیں ہے۔
4. قواعد میں مستثنیات بہ نسبت ضوابط کے زیادہ ہوتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کے قواعد میں کئی ابواب کے مسائل آتے ہیں جبکہ ضوابط میں صرف ایک باب کے مسائل آتے ہیں۔[72]

علمائے کرام نے یہاں ایک نکتہ لکھا ہے کہ ضوابط کے لیے جمع وانعکاس یعنی ان کا جامع ہونا ضروری ہے لیکن ان کے لیے منع وافراد یعنی ان کا مانع ہونا ضروری نہیں۔ جامع ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ضوابط یہ ہے کہ ضوابط کے اندر ان کے تمام افراد شامل ہوتے ہیں اور مانع نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ضوابط میں ان کے افراد کے علاوہ دوسرے یعنی غیر اور خارجی افراد بھی داخل ہوسکتے ہیں۔[73]

اصول فقہ اور قواعد فقہ میں فرق:

اصول فقہ سے براہ راست احکام مستنبط نہیں ہوسکتے بلکہ ان کی روشنی میں کسی نص سے استفادہ کرتے ہوئے حکم کا استنباط ممکن ہوتا ہے جبکہ قواعد فقہیہ سے براہِ راست حکم کی تخریج ممکن ہے جیسے الامر یدل علی الوجوب[74] یہ اصول

فقہ کا ایک اصول ہے اس سے براہِ راست حکم مستنبط نہیں ہو سکتا لیکن کسی نص میں امر ہو قرینہ صارفہ عن الوجوب نہ ہو جیسے اقیموا الصلاۃ تب حکم مستنبط ہو سکے گا جبکہ الیقین لا یزول بالشك[75] جو کہ ایک قاعدہ فقہیہ ہے اس سے براہِ راست حکم اخذ کیا جا سکتا ہے کہ اگر طہارت کا یقین ہو اور حدث لاحق ہونے یا نجاست کا شک ہو تو طہارت ہی برقرار رہے گی۔ شک کی وجہ سے حدث یا نجاست کا حکم صادر نہیں کیا جائے گا۔

اصول فقہ اور قواعد فقہ میں دوسرے فروق:

من جہۃ الاستعداد:

اصول فقہ تین چیزوں سے مستقاد ہے:

1. علم کلام
2. علوم عربیہ جیسے عربی الفاظ عربی قواعد (نحو و صرف) عربی نصوص اور ان کو پیش آنے والے احوال (یعنی عموم و خاص نسخ و ترجیح اور امر و نہی وغیرہ)
3. احکام شرعیہ

جبکہ قواعد فقہ کا ماخذ ادلہ شرعیہ اور اور متشابہ اور ایک جیسے مسائل فقہ ہیں جن کے تبلیغ و استقراء سے قواعد فقہ پیدا ہوتے ہیں۔[76]

من جہۃ التعلق:

أ. اصول فقہ سب کے سب استدلالیہ ہوتے ہیں یعنی ان کا تعلق ادلہ شرعیہ سے ہے جبکہ قواعد فقہ کا تعلق فعل مکلف اور فقہی احکام کے ساتھ ہے جیسے النهي يدل على التحريم[77] جو کہ اصول فقہ کا اصل ہے اس کا تعلق نص قرآنی لا تقربوا الزنى کے ساتھ اور اسی طرح دوسرے نصوص جن میں نہی ہو ان کے ساتھ ہے جبکہ قاعدہ فقیہ الامور بمقاصدها[78] حکام فقہیہ کو متضمن ہے جو فعل مکلف یعنی لوگوں کے افعال و اعمال سے متعلق ہے۔

ب. اصول فقہ شریعت کے ہر باب کو شامل اور تمام احکام کے ساتھ متعلق ہوتے ہیں خواہ وہ تفسیر ہو حدیث ہو عقائد ہو یا فقہ اور قواعد فقہ صرف فقہ کے ساتھ خاص ہوتے ہیں۔

من جہۃ الاستعمال:

اصول فقہ احکام میں من حیث الاثبات استعمال ہوتے ہیں۔ یعنی ان کے ذریعے احکام کو ثابت کیا جا سکتا ہے جبکہ قواعد فقہیہ کئی احکام کو ایک علت کے تحت جمع کرتے ہیں۔ ان کو اثبات سے تعلق نہیں ہوتا۔

من حیث المستفید منھا:

اصول فقہ سے صرف مجتہد ہی مستفید ہو سکتا ہے اس طور پر کہ احکام کے استنباط اور استخراج کے لیے انہیں استعمال کرتا ہے جبکہ قواعد فقہیہ سے مفتی، قاضی اور متعلم سب مستفید ہو کر کسی مسئلہ کا حکم معلوم کر سکتے ہیں اور ان سے مستفید ہونا آسان بھی ہے۔

من حیث التقدم والتاخر:

اصول فقہ احکام کی تاسیس اور اثبات کے لیے اصل کا درجہ رکھتی ہے اسی لیے کہ پہلے اصول فقہ کا علم وجود میں آیا ہے پھر اس سے احکام ثابت ہوتے ہیں اور قواعد فقہ احکام کے وجود میں آجانے کے بعد وجود میں آئے ہیں تاکہ ان کے ذریعے مماثل و متشابہ یعنی ایک جیسے مسائل کو مختصر اور آسان الفاظ کے تحت جمع کیا جاسکے، اس لیے اصول فقہ قواعد فقہیہ سے مقدم ہے۔

من جھۃ توقف کل منھا علی الاخر فی استنتاجھما:

اصول فقہ کا نتیجہ ثابت ہونا کسی اور قاعدے پر موقوف نہیں ہوتا اور قواعد فقہیہ کا نتیجہ ثبوت اصول فقہ کے کسی اصول پر موقوف ہوتا ہے۔

من حیث الاطراد وعدمہ:

قواعد فقہ اغلبیہ و اکثریہ ہوتے ہیں یعنی اپنے تمام فروعات و جزئیات کو شامل ہوتے ہیں بلکہ ان میں سے کچھ فروعات مستثنیٰ بھی ہوتی ہیں جبکہ اصول فقہ کے اصول کلیہ ہوتے ہیں۔

من حیث التبدل والثبات:

اصول فقہ کے ایک اصول ایک فقہی دبستان میں ہمیشہ ثابت و مستقل ہوتے ہیں ان میں زمانے کے بدلنے یا کسی اور وجہ سے تغیر و تبدل نہیں آسکتا اور قواعد فقہ میں حالات زمانہ کے بدلنے لوگوں کی مصالح اور عرف و عادات کی وجہ سے تغیر و تبدیلی آسکتی ہے۔[79]

من حیث صیاغتھما:

صیاغت کا مطلب شکل و صورت بنانا اور ڈھالنا ہے اصول فقہ کے اصول کا موضوع (پہلا جز) ان چیزوں میں سے کوئی ایک ہوتی ہے ادلہ انواع ادلہ اعراض ادلہ اور احکام اور ان کا محمول (دوسرا جز) مثبت ہوتا ہے جیسے کہ العام یدل علی معناہ قطعاً، الامر یفید الوجوب، القیاس حجة ظنية، الاجماع حجة قطعي [80] جبکہ قواعد فقہ کا موضوع مکلف کا فعل ہوتا ہے اور ان کا محمول حکم ہوتا ہے۔ جیسے الیقین لا یزول بالشك [81] المشقة تجلب التیسیر [82]

من حیث النظر:

اصول فقہ کے اصولوں میں زیادہ توجہ اور زور الفاظ اور لغت پے دیا جاتا ہے، جیسے "اقیموا" امر ہے اور امر وجوب کے لیے آتا ہے، جبکہ قواعد فقہ میں بنیادی طور پر معنی کو دیکھا جاتا اور اس پر نظر رہتی ہے[83]۔ علامہ قرافی نے اصول فقہ اور قواعد فقہ کے درمیان فرق ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

فَإِنَّ الشَّرِيعَةَ الْمُعَظَّمَةَ الْمُحَمَّدِيَّةَ زَادَ اللَّهُ تَعَالَى مَنَارَهَا شَرَفًا وَعُلُوًّا اشْتَمَلَتْ عَلَى أُصُولٍ وَفُرُوعٍ، وَأُصُولُهَا قِسْمَانِ أَحَدُهُمَا الْمُسَمَّى بِأُصُولِ الْفِقْهِ وَهُوَ فِي غَالِبِ أَمْرِهِ لَيْسَ فِيهِ إلَّا قَوَاعِدُ الْأَحْكَامِ النَّاشِئَةُ عَنْ الْأَلْفَاظِ الْعَرَبِيَّةِ خَاصَّةً وَمَا يَعْرِضُ لِتِلْكَ الْأَلْفَاظِ مِنْ النَّسْخِ وَالتَّرْجِيحِ وَنَحْوَ الْأَمْرِ لِلْوُجُوبِ وَالنَّهْيِ لِلتَّحْرِيمِ وَالصِّيغَةِ الْخَاصَّةِ لِلْعُمُومِ وَنَحْوَ ذَلِكَ وَمَا خَرَجَ عَنْ هَذَا النَّمَطِ إلَّا كَوْنَ الْقِيَاسِ حُجَّةً وَخَبَرِ الْوَاحِدِ وَصِفَاتِ الْمُجْتَهِدِينَ، وَالْقِسْمُ الثَّانِي قَوَاعِدُ كُلِّيَّةٌ فِقْهِيَّةٌ جَلِيلَةٌ كَثِيرَةُ الْعَدَدِ عَظِيمَةُ الْمَدَدِ مُشْتَمِلَةٌ عَلَى أَسْرَارِ الشَّرْعِ وَحِكَمِهِ، لِكُلِّ قَاعِدَةٍ مِنْ الْفُرُوعِ فِي الشَّرِيعَةِ مَا لَا يُحْصَى وَلَمْ يُذْكَرْ مِنْهَا شَيْءٌ فِي أُصُولِ الْفِقْهِ.[84]

"شریعت محمدیہ اصول و فروع پر مشتمل ہے اصول کی دو قسمیں ہیں ایک کا نام اصول فقہ ہے جس میں عموماً احکام کے ان قواعد سے بحث ہوتی ہے جو عربی الفاظ اور ان الفاظ کو پیش آنے والے احوال (جیسے نسخ و ترجیح وغیرہ) سے ماخوذ ہوتے ہیں۔ مثلاً امر وجوب کے لیے آتا ہے نہی حرمت کو ثابت کرنے کے لیے اور ایک خاص صیغہ عموم کے لیے آتا ہے اور اس قسم سے خارج نہیں ہوتے مگر اس جیسے امور کہ قیاس اور خبر واحد ہے یا نہیں اور صفات مجتہدین سے بھی اسی قسم میں بحث ہوتی ہے اصول کی دوسری قسم قواعد کلیہ فقہیہ ہے جو تعداد میں زیادہ اور بہت فائدہ مند ہوتے ہیں ان میں شریعت کے غیر متناہی اسرار اور حکمتیں موجود ہوتی ہیں۔ ہر قاعدے پر شریعت میں ان گنت فروعات ہیں اصول فقہ میں ان کا کچھ تذکرہ نہیں آتا۔"

اصولیین نے اصول فقہ اور قواعد فقہ میں مختلف لحاظ سے یہ دس فرق بیان کیے ہیں جن سے واضح طور پر ان دونوں میں فروق کی وضاحت ہو رہی ہے لیکن سب کے باوجود اصول فقہ کو ایسے قواعد فقہ کا علم کہا جاتا ہے جن کے ذریعے فقہ تک رسائی حاصل ہوتی ہے لہذا صرف الفاظ کے استعمال سے اصول فقہ کو اور قواعد فقہ کو آپس میں خلط ملط نہ کیا جائے یہ صرف اصول فقہ اور فقہ میں مشغول ہونے والا شخص ہی سمجھ سکتا ہے اور کسی شخص کو یہ فروق سمجھ میں نہیں آسکتے۔

الاشباہ والنظائر لغت واصطلاح کے آئینے میں:

قواعد سے قریبی ایک اور اصطلاح بھی مشہور ہے جسے الاشباہ والنظائر کہتے ہیں فقہ کے دوسرے علوم کی طرح یہ بھی

ایک اہم علم ہے جس کے بانی حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں انہوں نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو ایک خط لکھا تھا جس میں یہ الفاظ تھے۔

الفهم الفهم فيما تلجلج في صدرك ليس في كتاب ولا سنة فاعرف الامثال الاشباه وقس الامور بنظائرها۔[85]

ترجمہ: خوب سمجھ سے کام لو اس میں جو تیرے سینے میں کھٹک رہی ہو قرآن و سنت میں اس کا حل نہ ہو تو امثال و اشباہ کو پہچان لو اور امور کو ان کے نظائر پر قیاس کرو۔

اس کے بعد اس علم پر مستقل کتابیں تصنیف کی گئیں۔ یہاں صرف یہ دیکھنا ہے کہ الاشباہ والنظائر سے کیا مراد ہے اور اس کے اور قواعد فقہ کے درمیان کیا نسبت اور فرق ہے۔

الاشباہ والنظائر کی لغوی تعریف:

اشباہ جمع ہے اس کا مفرد شبہ ہے (ش پر کسرہ اور ب پر سکون) یا شبہ (ش اور ب دونوں) پر فتح جس کے لغوی معنی مماثل اور مانند کے آتے ہیں۔ نظائر، نظیرہ اور نظیر کی جمع ہے جس کے معنی بھی مثل یکساں کے آتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ الاشباہ والنظائر کے لغوی معنی تقریباً ایک جیسے ہیں، ان کے درمیان ترادف کا عطف ہے۔[86] البتہ علامہ سیوطی نے مثل شبیہ اور نظیر میں فرق بیان کیا ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ مثل اس چیز کو کہتے ہیں جو ہر اعتبار سے دوسری چیز کی طرح ہو، شبیہ اس چیز کو کہتے ہیں جو اکثر وجوہات کے اعتبار سے کسی چیز کے مشابہ ہو جبکہ نظیر کا مطلب بعض وجوہات کی بناء پر کسی ایک چیز کا دوسری چیز کے مشابہ ہونا خواہ وہ وجہ ایک ہو یا زیادہ۔[87]

الاشباہ والنظائر کی اصطلاحی تعریف:

الاشباہ والنظائر کی اصطلاحی تعریف علامہ حمویؒ نے اس طرح کی ہے کہ ان سے مراد وہ مسائل ہیں جو بظاہر ایک دوسرے کے مشابہ نظر آتے ہیں لیکن ان کے درمیان باریک فروق ہوتے ہیں وہ جن کی وجہ سے ان کا حکم الگ الگ ہوتا ہے ان فروق کو فقہاء اپنے غور و فکر اور اجتہاد کے ذریعے معلوم کر لیتے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں:

والمراد بها المسائل التي تشبه بعضها بعضا مع اختلافها في الحكم الأمور خفية أدركها الفقهاء بدقة انظارهم

"الاشباء والنظائر سے ایسے مسائل مراد ہیں جو ایک دوسرے کے مشابہ ہوتے ہیں لیکن ان کا حکم چند مخفی کی وجہ سے مختلف ہوتا ہے جنہیں فقہاء بڑی باریک بینی سے معلوم کرتے ہیں[88]

مفتی محمد تقی عثمانی نے بھی الاشباہ والنظائر کا یہی مفہوم بیان کیا ہے کہ الاشباہ والنظائر در اصل علم کی اس شاخ کا نام ہے جس میں اس علم کے ملتے جلتے مسائل ذکر کر کے ان کا باہمی فرق واضح کیا جاتا ہے، خاص طور پر علم کو علم لغت اور علم فقہ

میں اصل موضوع پر بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں مثلاً امام کرابیسی کی کتاب الفروق علامہ سیوطی کی الاشباہ والنظائر محبوبی کی الفروق وغیرہ۔[89]

مفتی خالد سیف اللہ رحمانی نے الاشباہ والنظائر کی اصطلاحی تعریف اس طرح کی ہے۔ اصطلاح میں ایسے مسائل کو کہتے ہیں جن پر دو مختلف اصل کو منطبق کیا جا سکتا ہے۔ مجتہد اجتہاد اور غور و فکر کے ذریعے متعین کرتا ہے کہ یہ کس اصل سے زیادہ قریب اور اس کے مشابہ ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ موزوں پر مسح ایک بار کیا جائے یا تین بار اعضاء وضو میں سے ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ تین بار مسح ہو اور اس لحاظ سے کہ یہ مسح ہے اور تیمم میں ایک ہی بار مسح کیا جاتا ہے اس کا تقاضا ہے کہ ایک ہی بار مسح کیا جائے۔[90]

قواعد فقہیہ اور الاشباہ والنظائر میں فرق:

اگر غور کیا جائے تو قواعد فقہ اور الاشباہ والنظائر کا موضوع ایک ہی نظر آتا ہے یعنی ایک جیسے اور تشابہ فروعات و مسائل کو بیان کرنا اور ان کے حکم شرعی کو واضح کرنا لیکن اس کے باوجود ان میں دو فروق پائے جاتے ہیں۔

1. الاشباہ والنظائر عام ہیں ان میں وہ تمام مسائل آتے ہیں جو بظاہر ایک جیسے ہوں اور حکم میں مختلف ہوں بلکہ جو مسائل حکم میں بھی متفق ہوں ان کو بھی بیان کیا جاتا ہے جبکہ قواعد فقہ خاص ہیں اس فن میں صرف ایک جیسے حکم والے مسائل کو بھی ذکر کیا جاتا ہے۔
2. الاشباہ والنظائر میں ایک جیسے اور تشابہہ فروعات کو ذکر کرنے کی طرف ہی زیادہ توجہ دی جاتی ہے جو کئی فروعات کو اپنے اندر لیے ہوتی ہے جسے روابط بھی کہتے ہیں۔

جب الاشباہ والنظائر اور قواعد فقہ میں فرق بیان کیا جاتا ہے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جب اس کا فرق قواعد فقہیہ سے ہے تو اصول فقہ سے تو بدرجہ اولیٰ فرق واضح ہو جائے گا کیونکہ اصل اس موضوع میں اصول فقہ ہی ہیں اور یہ باقی ثانوی حیثیت رکھتے ہیں۔

فن فروق کا بیان

علوم فقہ میں سے ایک اہم فن فروق ہے جس پر مستقل کتابیں بھی تصنیف کی جاچکی ہیں۔ علامہ سیوطی نے فن فروق کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

الذي يذكر فيه الفرق بين النظائر المتحدة تصوير او معني المختلفة حكما وعلة[91]

"(فروق وہ فن ہے) جس میں ان مسائل کے درمیان فرق بیان کیا جاتا ہے جو صورت اور معنی کے اعتبار سے ایک جیسے ہوں جبکہ حکم اور علت کے اعتبار سے مختلف ہوں"

اس تعریف سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے فن فروق اور الاشباہ والنظائر کے درمیان فرق کوئی خاص نہیں ہے اسی لیے

علامہ حمویؒ نے الاشباہ والنظائر کی تعریف کے بعد بطور مثال فروق کی کتابوں ذکر کیا ہے۔ آپؒ فرماتے ہیں:

وقد صنفوا لبيانها كتبا كفروق المحبوبي والكرابيسي [92]

البتہ فن فروق اور الاشباہ والنظائر کے درمیان اتنا فرق معلوم ہوتا ہے کہ الاشباہ والنظائر کی کتابوں میں صرف فروق بیان نہیں ہوتے بلکہ ان میں ایک جیسے اور ہم مثل مسائل کے بیان کے ساتھ ساتھ ضوابط حیل اور الغاز وغیرہ کا بھی بیان ہوتا ہے جبکہ فروق کی کتابوں میں صرف مشابہ اور ہم مثل مسائل کے درمیان فروق ہی بیان ہوتے ہیں۔

درج بالا تفصیل سے فن فروق اور قواعد فقہ کے درمیان تقریباً واضح ہوگیا ہے کہ فن فروق میں مشابہ مسائل کے درمیان فرق بیان کیا جاتا ہے جبکہ قواعد فقہ میں مشابہ اور ایک جیسے حکم والے مسائل کو ایک ربط کے ساتھ جوڑ کر اسے مختصر الفاظ میں بیان کر دیا جاتا ہے تاکہ اس کے ذریعے کئی مسائل ضبط ہو جائیں۔

درج بالا تفاصیل سے اصول فقہ، قواعد فقہ، ضوابط فقہ، فروق فقہ، الاشباہ والنظائر کی لغوی اور اصطلاحی ابحاث کو مختصر اور جامع انداز میں بیان کرتے ہوئے ان کے درمیان امتیازات و فروق کو بقدر استطاعت بیان کیا گیا ہے تاکہ قاری پر ان اصطلاحات کو واضح کیا جاسکے۔

نتیجہ بحث

احکام کے استنباط میں اصول، قواعد، فروق، ضوابط فقہ بنیادی حیثیت کے حامل ہیں اس لیے سب سے پہلے یہ ضروری ہے کہ ان کی لغوی اور اصلاحی مباحث آگاہی حاصل کی جائے اس لیے اس مختصر مضمون میں حتی المقدور ان کی ابحاث مفیدہ اور ان کے مابین فروق اور امتیازات کی جامع مانع وضاحت کر دی گئی ہے۔

1. اس فن میں اولیت اصول فقہ کو حاصل ہے اس لیے اصول فقہ کی وضاحت کو مقدم رکھا گیا ہے، اسکی لغوی اور اصطلاحی ابحاث کو جو کہ حد لقبی اور حد اضافی کی صورت میں ہیں ان کی مختصر اور جامع وضاحت کر دی گئی ہے۔
2. استخراج واستنباط میں جو حیثیت اصول فقہ کو حاصل ہے وہی کردار قواعد فقہ کا ہے۔ اس لیے قواعد فقہ کی لغوی اور اصطلاحی ابحاث کے ساتھ ساتھ اصول فقہ کے ساتھ اس کے فروق و امتیازات کی وضاحت اس مضمون میں جامع مانع انداز میں کر دی گئی ہے۔
3. قواعد فقہ کا سب سے قریبی لفظ فروق استعمال کیا جاتا ہے اس لیے اس کی تشریحاتِ لغویہ اور اصطلاحیہ کو بیان کرنے کے ساتھ ساتھ ان کا قواعد فقہ سے فرق بھی بیان کر دیا گیا ہے۔
4. قواعد فقہ کے قریبی الفاظ میں سے ضوابط بھی ہے اس لیے اس کی لغت اور اصطلاح کے لحاظ سے تشریحات کو بیان کرتے ہوئے قواعد فقہ کے ساتھ ان کے فروق کو بیان کر دیا گیا ہے۔
5. ان الفاظ کی طرح الاشباہ والنظائر بھی قواعد کے قریبی الفاظ میں سے ہیں ان کی بھی ابحاث لغویہ اور اصطلاحیہ

بیان کرتے ہوئے قواعد کے ساتھ ان کے فروق کو بھی بیان کر دیا گیا ہے۔

6. بعض اصطلاحات کا مابین فرق بہت باریک تھا اس کو بھی واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔
7. ان اصطلاحات میں پیدا ہونے والی مثلیت کو بھی بیان کیا گیا ہے۔
8. ان اصطلاحات کی تعریفات میں جو مختلف علماء کی مختلف آراء تھیں ان کو بھی مختصر انداز میں بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔
9. اگر ان میں سے کسی دو کے درمیان الفاظ و معنی کے لحاظ سے قرب تھا لیکن عمل کے لحاظ سے فرق تھا اس کو بھی بیان کیا گیا ہے تاکہ دونوں اپنی حیثیت میں امتیاز حاصل کر سکیں۔
10. ان ناموں سے اگر کتب اصول فقہ موسوم ہیں تو جہاں وضاحت کی ضرورت تھی اسے بیان کر دیا گیا ہے تاکہ کتاب کی مراد واضح ہو سکے۔ خداوندِ علیم و علام اسے ملت کے لیے مفید بنائے۔

سفارشات:

مذکورہ بالا بحث کی روشنی میں ان اصطلاحات سے بھرپور استفادہ کے لیے چند سفارشات۔

1. جامعات میں ان اصطلاحات کے مفاہیم کو سہل انداز میں پڑھایا جائے۔
2. ان اصطلاحات کے مفاہیم کا انگریزی زبان میں ترجمہ شائع کیا جائے۔
3. پاکستان کی جامعات کے نصاب میں اصول قواعد ضوابط فقہ کو شامل کیا جائے۔
4. فتاویٰ جات اور مسائلِ جدیدہ کے حل کے لیے اصول و قواعد فقہ سے مدد حاصل کی جائے۔
5. لاء کالج کے نصاب ایل ایل بی اور ایل ایل ایم میں فقہ کے قواعد اصول ضوابط کو شامل کیا جائے۔

حواشی و حوالہ جات

1۔ ملاجیون شیخ احمد، نور الانوار شرح المنار، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، 2015ء، ص 68
2۔ ابن منظور الافریقی، لسان العرب، دار صادر، بیروت، س ن، 1/ 89
3۔ صدر الشریعہ، عبید اللہ بن مسعود حنفی، التنقیح والتوضیح، دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1996ء، 1/ 15
4۔ الرازی، محمد بن عمر، المحصول فی علم الاصول، دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1/ 10
5۔ آمدی، علی بن ابی علی، الاحکام فی اصول الاحکام، دار الفکر، بیروت، 1996ء، 1/ 10
6۔ اسنوی، عبد الرحیم بن الحسن، نہایۃ السول، دار الکتب العلمیہ بیروت، 1984ء، 1/ 18
7۔ حوالہ سابق
8۔ محمد بن علی، شرح تسہیل الفرقات، وزارت نشر و اشاعت، السعودیہ، س ن، ص 10

9۔ اسنوی، عبد الرحیم بن الحسن، نہایۃ السول، 1/18

10۔ سورۃ اسراء:17/34

11۔ زیدان، عبد الکریم، الوجیز فی اصول الفقہ، مکتبہ معروفیہ، کوئٹہ، پاکستان، س ن، ص62

12۔ بدران، ابو العنین، اصول الفقہ، دار المعارف، مصر، س ن، ص22

13۔ البدریسی، محمد زکریا، اصول الفقہ، دار الثقافہ، س ن، ص23

14۔ سورۃ البقرہ:2/222

15۔ ملاجیون شیخ احمد، نور الانوار شرح المنار، مکتبۃ البشریٰ، لاہور، س ن، ص5

16۔ بدران، ابو العنین، اصول الفقہ، ص22

17۔ الزحیلی، محمد مصطفیٰ، کتاب القواعد الفقہیہ و تطبیقاتہا فی المذاہب الاربعہ، دار الفکر، بیروت، لبنان، س ن، قاعدہ:16، 10/190

18۔ مجلۃ الاحکام العدلیہ، لجنہ مکونہ من عدۃ علماء وفقہاء فی الخلافۃ العثمانیہ، نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی، س ن، قاعدہ نمبر7

19۔ الفتویٰ اسلام ویب، تاریخ النشر 17 شوال 1423

20۔ وھبہ الزحیلی، الدکتور، اصول الفقہ الاسلامی، دار الفکر، بیروت، س ن، 1/22

21۔ ابن ماجہ محمد بن زید القزوینی سنن ابن ماجہ، مکتبہ الحسن، لاہور، س ن، ابواب الاحکام، رقم الحدیث:2340، 1/169

22۔ مجلۃ الاحکام العدلیہ لجنہ مکونہ من عدۃ علماء وفقہاء فی الخلافۃ العثمانیہ،، نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی، قاعدہ نمبر18

23۔ سراج الدین عثمان، ہدایۃ النحو، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، س ن، ص50

24۔ مجلۃ الاحکام العدلیہ لجنہ مکونہ من عدۃ علماء وفقہاء فی الخلافۃ العثمانیہ، قاعدہ نمبر3

25۔ زیدان، عبد الکریم، الوجیز فی اصول الفقہ، ص11

26۔ زیدان، عبد الکریم، الوجیز فی اصول الفقہ، ص8

27۔ ابو الحسین معتزلی، المعتمد، فی اصول الفقہ، دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1403ھ، 1/4

28۔ سورۃ الاسراء:17/44

29۔ اسنوی، عبد الرحیم بن الحسن، نہایۃ السول، 1/19

30۔ سورہ انعام:6/98

31۔ سورہ ھود:11/91

32۔ ابن منظور الافریقی، لسان العرب، 1/89

33۔ ابن منظور الافریقی، لسان العرب، 1/89

34۔ سورہ النساء:4/78

35۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، الصحیح البخاری، قدیمی کتب خانہ، کراچی، پاکستان، س ن، کتاب العلم، باب من یرد اللہ بہ خیراً یفقھہ فی الدین، 1/19

36۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، قدیمی کتب خانہ، کراچی، پاکستان، رقم الحدیث:3495، 1/496

37۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، قدیمی کتب خانہ، کراچی، پاکستان، کتاب العلم، باب قول النبی اللھم علمہ الکتاب، 1/ 71

38۔ غزالی، محمد بن محمد، المستصفیٰ، ادارۃ القران، کراچی، 1987ء، 1/ 3

39۔ سورہ طٰہٰ: 20/ 27، 28

40۔ ملا علی قاری، شرح الفقہ الاکبر، المکتبہ المعروفیہ، کوئٹہ، س ن، ص10

41۔ فاروق حسن، ڈاکٹر، فن اصول فقہ کی تاریخ عہد رسالت سے عہد حاضر تک، دار الاشاعت، کراچی، س ن، ص37

42۔ سورہ بقرہ: 2/ 286

43- صدر الشریعہ عبید اللہ بن مسعود حنفی، التنقیح والتوضیح والتلویح، نور محمد کتب خانہ کراچی، 1400ھ ص25

44۔ الرازی، محمد بن عمر، المحصول فی علم الاصول، 1/ 10

45۔ آمدی، علی بن ابی علی، الاحکام فی اصول الاحکام، 1/ 10

46۔ ابن حاجب، مختصر المنتھیٰ الاصولی، مطبعہ کردستان العلمیہ، قاھرہ، مصر، س ن، ص3

47۔ وھبہ الزحیلی، اصول الفقہ الاسلامی، 1/ 22

48۔ ڈاکٹر فاروق حسن، فن اصول فقہ کی تاریخ، ص42

49۔ ایضاً

50۔ ابن نجیم، زین الدین بن ابراہیم، الاشباہ والنظائر، مطبع مصطفیٰ الحلبی، ص7

51۔ زیدان، عبد الکریم، الوجیز فی اصول الفقہ، ص11

52۔ سورہ مائدہ: 5/ 1

53۔ سورہ نور: 24/ 56

54۔ ملاجیون شیخ احمد، نور الانوار، مکتبہ البشریٰ، ص8

55۔ حموی، احمد بن محمد مکی، غمز عیون البصائر، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، س ن، 1/ 51

56۔ زبیدی، محمد بن محمد، تاج العروس من جواہر القاموس، دار الکتب العلمیہ، س ن، 9/ 40

57۔ سورۃ البقرہ: 2/ 127

58۔ سورۃ النحل: 16/ 26

59۔ جرجانی، علی بن محمد، التعریفات، دار الکتاب العربی، س سن، ص219

60۔ شاطبی، ابراہیم بن موسیٰ، الموافقات، دار ابن عفان، قاہرہ، 1997ء، 2/ 83

61۔ الزحیلی، محمد مصطفیٰ، القواعد الفقہیہ وتطبیقاتھا فی المذاہب الاربعہ، 1/ 22

62۔ حموی، احمد بن محمد مکی، غمز عیون البصائر، 1/ 51

63۔ ڈاکٹر محمود غازی، قواعد کلیہ اور ان کا آغاز وارتقاء، شریعہ اکیڈمی، اسلام آباد، س ن، ص11

64۔ شاد محمد شاد، فقہی قواعد کا تحقیقی مطالعہ، دار الصدیق، صوابی، ص47

65۔ تھانوی، محمد بن علی، کشاف اصلاحات الفنون والعلوم، مکتبہ لبنان ناشرون 2/ 110

66۔ الفیومی، احمد بن محمد، المصباح المنیر فی غریب الشرح الکبیر، مکتبہ علمیہ، بیروت، س ن، ص510

67۔ حموی، احمد بن محمد مکی، غمز عیون البصائر، 1/31

68۔ شبیر احمد، الدکتور، القواعد الکلیۃ والضوابط الفقھیۃ فی الشریعۃ الاسلامیۃ، دار النفائس، عمان، اردن، 2007ء، ص22

69۔ محمد سلیمان الفراء، مقدمہ فی القواعد الفقہ الکلیہ، الجامعۃ الاسلامیہ، غزہ، س ن، ص9

70۔ مجلۃ الاحکام العدلیہ لجنہ مکونہ من عدۃ علماء وفقہاء فی الخلافۃ العثمانیہ، قاعدہ نمبر 1

71۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، الصحیح البخاری، رقم الحدیث 1

72۔ شاد محمد شاد، فقہی قواعد کا تحقیقی مطالعہ، ص48

73۔ محمود عبد الراحمان عبد المنعم، معجم المصلحات ولالفاظ الفقہیہ دار الفضیلہ 2/404

74۔ زیدان، عبد الکریم، الوجیز فی اصول الفقہ، ص11

75۔ مجلۃ الاحکام العدلیہ لجنہ مکونہ من عدۃ علماء وفقہاء فی الخلافۃ العثمانیہ، قاعدہ نمبر 3

76۔ شاد محمد شاد، فقہی قواعد کا تحقیقی مطالعہ، ص51

77۔ زیدان، عبد الکریم، الوجیز فی اصول الفقہ، ص11

78۔ مجلۃ الاحکام العدلیہ لجنہ مکونہ من عدۃ علماء وفقہاء فی الخلافۃ العثمانیہ، قاعدہ نمبر 1

79۔ شاد محمد شاد، فقہی قواعد کا تحقیقی مطالعہ، ص52

80۔ محولہ بالا

81۔ محولہ بالا

82۔ محولہ بالا

83۔ محولہ بالا

84۔ القرافی ابو العباس احمد، انوار البروق فی انواع الفروق، دار الکتب العلمیہ 1/5

85۔ الماوردی ابو الحسن علی بن محمد، الحاوی فی فقہ الشافعی، دار الکتب العلمیہ، 2/959

86۔ المعجم الوسیط، مجموعۃ المولفین دار الدعوہ، 2/932

87۔ السیوطی جلال الدین عبد الرحمان بن ابو بکر، الحاوی للفتاویٰ للسیوطی، دار الکتب العلمیہ، 2/959

88۔ حموی، احمد بن محمد مکی، غمز عیون البصائر، 1/38

89۔ مفتی تقی عثمانی، تبصرے، مکتبہ معارف القرآن کراچی، ص315

90۔ خالد سیف اللہ رحمانی، فقہ اسلامی تدوین وتعارف، مکتبہ قاسم العلوم، ص157

91۔ السیوطی جلال الدین عبد الرحمٰن بن ابو بکر، الاشباہ والنظائر، دار الکتب العلمیہ، ص7

92۔ حموی، احمد بن محمد مکی، غمز عیون البصائر، 1/38